P. O. ROD. No. A 922

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) علیگڈھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے — سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۲ | یکم مئی سنہ ۱۹۵۳ع | ایڈیٹر:- قاضی عبدالغفار | ۱۶ شعبان المعظم ۱۳۷۲ ہجری | نمبر ۹

کچھ اپنی باتیں

ترقی پسند ادیبوں کی کانفرنس

کچھ ہی دن ہوئے دہلی میں ترقی پسند ادیبوں کی ایک کل ہند کانفرنس ہوئی تھی جس نے دو دن کے مباحث کے بعد اپنے اصولوں اور نظریات کا ایک نیا اعلان نامہ مرتب کیا جس میں ہر مکتب خیال کے ادیبوں کے لئے انجمن کے دروازے کھول دئے گئے ہیں۔ گذشتہ سالوں میں انجمن کے بعض اعلانوں میں اس گمان کی گنجائش باقی گئی تھی کہ انجمن شاید ایک ہی سیاسی مکتب خیال کے اہل قلم کو ترقی پسند سمجھتی ہے لیکن اب اس گمان کا ازالہ کر دیا گیا ہے اور اس حد تک بلاشبہ انجمن نے صحیح قدم اٹھایا ہے۔

لیکن -- اور یہ "لیکن" بہت اہم ہے -- کانفرنس میں جو انتشار خیال دیکھا گیا اس سے یہ اندیشہ پیدا ہوتا ہے کہ ترقی پسند ادیبوں کی انجمن کی تنظیم کمزور ہے اور یہ کمزوری اس بات سے نمایاں ہوتی ہے کہ اس کانفرنس میں اردو کے مسئلہ کو۔ جس صورت میں کہ وہ اترپردیش میں ایک فتنہ بنا دیا گیا ہے۔ ہاتھ نہیں لگایا گیا اور کانفرنس کے کرتا دھرتا اس مسئلہ سے راستہ کاٹ کر اور دامن بچا کر گذر گئے!

ہمیں یہ معلوم ہے کہ انجمن کی اندرونی تنظیم میں یہ مسئلہ اختلافی بن گیا ہے اور ایک جماعت ہندی کے اہل قلم کی ایسی پیدا ہو گئی ہے۔ یا کر دی گئی ہے۔ جو اردو کی علاقائی حیثیت کو یا تو تسلیم ہی نہیں کرتی یا انتہا پسند ہندی دانوں کے ڈر سے اپنے خیالات کا اعلان کرنا نہیں چاہتی۔ یوں تو انجمن تمام علاقائی زبانوں کے حقوق کی تائید کرتی ہے، لیکن جب سوال اترپردیش میں اردو زبان کا آتا ہے تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انجمن کے

> "مذہب بھی بدلا جا سکتا ہے
> لیکن زبان نہیں بدلی جا سکتی"
>
> (مولانا ابوالکلام آزاد)

بعض گوشوں میں صحیح نتیجے سے گریز کی کیفیت پیدا ہے۔ حقیقت یہہ ہے کہ ہمیں یہہ دیکھکر مایوسی ہوئی کہ ترقی پسند مصنفین کی انجمن اس معاملہ میں اپنی ترقی پسندی کا کوئی ثبوت پیش نہ کر سکی اور گویا اس اصول پر عمل پیرا ہو گئی کہ

گھر کو چلو کہ خلق کا لہجہ کرخت ہے!

ہم سمجھتے ہیں کہ مختلف زبانوں کے ترقی پسندوں ہی کا پلیٹ فارم ایسا پلیٹ فارم ہے جہاں صحیح اصول اور انصاف کی آواز بلا خوف اختلاف بلند ہونی چاہیئے۔ ہم ادب میں ترقی پسندوں کی تحریک کو ادب کی بیدار روح سمجھتے ہیں اور اسی لئے ہر پہلو سے اس تحریک کی تائید کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ لیکن اتر پردیش میں زبان کے فتنہ سے جو یکسر انتہا پسند اور رجعت پسند ہندی دانوں کا پیدا کیا ہوا ہے اگر انجمن اس طرح اپنا دامن بچانے تو ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ اس کے اعصاب کمزور ہیں اور اس کی تنظیم میں جان نہیں۔ یہہ کوئی راز نہیں ہے کہ انجمن کے اندر بعض نام نہاد ترقی پسندوں نے اس مسئلہ کو نزاعی مسئلہ بنا لیا ہے اور انجمن کے رہنماؤں کو۔ جو چاہتے تھے کہ اس مسئلہ کے متعلق ترقی پسندی کے نقطہ نظر کا اعلان کر دیا جائے۔ پیچھے ہٹنا پڑا ہے اور اپنی جماعت کے رجعت پسندوں سے شکست کھانی پڑی ہے۔

ہم اس صورت حال پر ترقی پسندوں کو مبارکباد نہیں دے سکتے۔ یہہ وقت تو وہ تھا کہ اتر پردیش میں ترقی پسندوں کی پوری طاقت بآواز دہل ہمارے ساتھ ہوتی اور عملاً اس نا انصافی کے خلاف ہمارے محاذ پر کام کرتی جس نے اتر پردیش کی اجتماعی زندگی کے چہرے کو داغدار کر دیا ہے۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا اور اب یہہ ہمیں صرف ترقی پسند مصنفین اور ادیبوں کی انجمن ہی بتا سکتی ہے کہ ایسا کیوں نہ ہو سکا۔

کشمیر اور اردو

شیخ عبداللہ نے کشمیر اسمبلی میں صاف صاف کہا کہ کشمیر میں سرکاری زبان آسان اردو ہوگی۔ دونوں رسم الخط میں۔ وہ پہلے لیڈر ہیں جنہوں نے بڑی جرات کے ساتھ اپنی حقیقت شناسی کا ثبوت دیا ہے اور مہاتما گاندھی کے اس اصول کو پیش کرنے کی جرات کی ہے جسے ہندوستان میں یکسر بھلا دیا گیا ہے۔ شیخ صاحب نے اپنی تقریر میں شکایت کی کہ خود غرض لوگوں نے زبان کے مسئلہ کو فرقہ واری سیاسیات میں الجھا دیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہندوستان کے دستور نے علاقائی زبانوں کی ترقی اور آزادی کے لئے اپنے اندر بہت وسعت رکھی ہے اس لئے بھی کشمیر میں اردو زبان کی ترقی کا میدان وسیع ہونا چاہیئے۔ شیخ صاحب نے اہل ملک سے اپیل کی کہ وہ زبان کے مسئلہ کو بے تعصبی اور ملکی مفاد کے نقطہ نظر سے دیکھیں۔

اس وقت جبکہ فرقہ پرست جماعتیں ہندوستان کی حکومت کو پریشان کرنے کے لئے کشمیر کے مسائل پر اور خصوصاً شیخ عبداللہ کی ذات پر حملے کر رہی ہیں شیخ صاحب کی مردانہ جرات اور حق کوشی کی یہہ ایک اچھی مثال ہے کہ انہوں نے زبان کے مسئلہ کو "مصلحت وقت" کا تابع کرنے کے بجائے کچھ لگی لپٹی نہیں رکھی اور صاف صاف کہدیا جو کچھ انہیں کہنا تھا۔

کشمیر میں اردو کے وجود سے انکار بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ اتر پردیش اور شمالی ہندوستان کے متعلق یہہ کہنا کہ اردو تو ان علاقوں کی زبان ہی نہیں ہے۔ فرق یہہ ہے کہ شیخ عبداللہ تو مخالفوں کی پروا کئے بغیر حقیقت حال کا اعلان کر سکتے ہیں اور ہمارے بہت سے لیڈر جو حقیقت حال سے ناواقف نہیں "مصلحت وقت" کی بنا پر زبان بند کئے ہوئے ہیں۔ وہ یہ سوچ رہے ہیں کہ جہلا کی اکثریت اگر ناراض

ہوگئی تو آیندہ الیکشن میں کیا ہوگا۔ کیسی عجیب بات ہے کہ ابھی الیکشن ختم ہی ہوا ہے لیکن ہمارے نمایندے پانچ برس پہلے ہی دوسرے الیکشن کی فکر میں دبلے ہوئے جا رہے ہیں! جمہوریت اور دستوریت کی اس افیون کا نشہ کس قدر پائیدار ہوتا ہے۔

ہندستان میں جمہوریت اور سکولیرزم کے بہت سے مدعیوں کے لئے شیخ عبداللہ نے راسے اور ارادے کے استحکام کی ایک قابل تقلید مثال پیش کی ہے اور شاید اسی لئے وہ ہندستان کی فرقہ پرست جماعتوں کی فتنہ پردازی کا ہدف بنے ہوئے ہیں۔

آصف علی مرحوم

ابھی چند ہی روز ہوئے جب ہم نے مرحوم آصف علی صاحب کی ایک ادبی تصنیف "پرچھائیں" کے نام سے شایع کی تھی۔ مرحوم اپنی عمر کے آخری زمانہ میں اپنی تصانیف کی اشاعت پر آمادہ ہوئے تھے ورنہ یوں تو عمر بھر انکا مذاق مختلف صورتوں میں اپنے کرشمے دکھاتا رہا۔ وہ شاعر بھی تھے، ادیب بھی تھے اور آرٹسٹ بھی تھے۔ آرٹسٹ اپنے تصورات اور افکار میں۔ اگر وہ سیاست کی الجھنوں میں نہ الجھ گئے ہوتے تو ادب کے میدان میں ان کا مقام بہت بلند ہوتا۔ کچھ عجیب بدنصیبی ہے کہ عین اس وقت جب ہم کو اچھے اور صاحب کمال لوگوں کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، یہ چراغ گل ہوتے چلے جاتے ہیں اور پھر جو جگہ خالی ہوتی ہے اس کے پر ہونے کی امید نہیں۔ آصف علی رخصت ہوئے اور ہم دوسرا آصف علی ڈھونڈتے رہیں گے اور کہیں نہ پائیں گے۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ وہ دم آخر تک اپنے ملک کی خدمت انجام دیتے ہوئے رخصت ہوئے اور یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم اپنی صفوں میں ان کی جگہ پر نہیں کر سکتے۔

ہلکے ہلکے اشارے

آردو زبان سے ہم کہتے ہیں کہ
سن لو۔ہی جہان میں ہے تیرا فسانہ کیا؟

—— پٹیالہ میں گذشتہ ۲۰ مارچ کو ایک عظیم الشان مشاعرہ ہوا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس سے زیادہ شاندار اجتماع کبھی پہلے نہ ہوا تھا۔ تمام ممتاز شعرا اس میں شریک تھے۔ مشاعرے کی کارروائی شروع ہونے سے پہلے سری موہن لال ساحر نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ

"آردو زبان ہندو اور مسلمان اہل قلم کی مشترکہ میراث ہے۔ وہ کسی ایک علاقہ یا فرقہ کی مخصوص زبان نہیں ہے"

مشاعرے کا انتظام پیپسو حکومت کے چیف سکریٹری سردار رگھبیر سنگھ نے کیا تھا۔

—— الہ آباد میں ہندی اہل قلم کی ایک کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے مسٹر للتا پرشاد شکل صدر شعبہ ہندی کلکتہ یونیورسٹی نے اپنی تقریر میں کہا کہ

"آردو حقیقتاً ہندی زبان ہی کی ایک شکل ہے"

—— آچاریہ ونوبا بھاوے نے اس بات پر افسوس کیا ہے کہ زبان کے مسئلہ میں غیر ضروری جھگڑے پیدا کردئے گئے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ:-

"میں تو ذاتی طور پر محسوس کرتا ہوں کہ علاقائی زبانوں کو ذریعہ تعلیم ہونا چاہئے مگر ہندی کو قومی زبان کی حیثیت سے لازماً پڑھایا جائے۔ ان سب لوگوں کو جن کی مادری زبان ہندی ہے کوئی دوسری علاقائی زبان ضرور سیکھنی چاہئے——

—— حیدرآباد :- ۲ اپریل حیدرآباد اسمبلی میں حزب مخالف کے لیڈر مسٹر دیش پانڈے نے—— حیدرآباد کی تقسیم کی غیر سرکاری قرارداد پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ ایوان میں آردو اور

مسئلوں کا سوال پیدا کرکے ایک نئی غلط فہمی پیدا کی جا رہی ہے۔ مسٹر دیش پانڈے نے کہا کہ یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو حیدرآباد کے بیشتر ہندوؤں کی بھی مادری زبان ہے۔ اردو بولنے والے ہندو ہوں کہ مسلمان وہ اپنے اپنے صوبہ کے شہری ہوں گے۔

مسٹر دیش پانڈے نے مزید کہا کہ جب ہم کسی دوسری زبان کو اپنے سر پر مسلط نہیں کرا سکتے تو ہم بھی اپنی زبان کو اقلیتوں پر بھی نہیں ٹھونس سکتے۔

اگر اردو بولنے والوں کی کافی تعداد آندھرا اور مہاراشٹر کرناٹک میں کسی بھی علاقہ میں بستی ہے تو ہم ان کے لئے نہ صرف اردو کے اسکول اور کالج کھولیں گے بلکہ اگر ضرورت پڑے تو ہم ان کے لئے اردو یونیورسٹی بھی قائم کریں گے، اس کے لئے پاکستان بنانے یا نقل مقام اور ترک وطن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔

—:o:—

—— مرکزی حکومت کے ہوم منسٹر ڈاکٹر کاٹجو نے لکھنؤ کے ایک مشاعرے میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"اردو زبان ان سب لوگوں کی جو اس ملک میں رہتے ہیں، مشترکہ زبان ہے۔ وہ کسی ایک فرقہ کی مخصوص زبان نہیں ہے...... اردو وہ زبان ہے جس کو عام لوگ بہ آسانی سمجھ سکتے ہیں۔ وہ ایسے معیاری شعرا کی زبان ہے جیسے میر تقی میر۔"

—:o:—

—— ڈھاکہ سے خبر آئی ہے کہ پاکستان بھگوت گیتا سوسائٹی کے سکریٹری شریمتی ساوتری دیوی نے اعلان کیا ہے کہ سوسائٹی گیتا کا ترجمہ اردو نظم میں کرانے گی اور بعد اس کو شایع کیا جائیگا۔

—— گیتا کا ترجمہ اردو میں کیوں؟ کیا اردو بھی کوئی زبان ہے؟ اور کیا اس زبان کے پڑھنے والے اتنے زیادہ ہیں کہ گیتا کا ترجمہ اس زبان میں کیا جاتا ہے؟ شریمتی جی اور ان کی سوسائٹی کو یہ کیا سوجھی کہ ایک ایسی زبان میں گیتا کا ترجمہ شروع کیا جو کوئی زبان ہی نہیں! ہمارے اترپردیش کے نیتاؤں سے تو مشورہ کر لیا ہوتا!!

—:o:—

—— میں نے اخبار میں ایک بڑے اہل علم کی یہ تجویز پڑھی کہ ہندی زبان میں ڈاکٹریٹ کے طلبہ کے لئے کسی ایک ہندوستانی زبان کی تحصیل لازمی ہونا چاہیئے۔ اگر اس تحصیل کے لئے کسی کے پاس وقت کی کمی ہو، تو اسے گھبرانا نہ چاہیئے میں اسے مشورہ دوں گا کہ وہ اردو سیکھ لے۔ اس میں اسے رسم الخط ہی سیکھنا پڑے گا نہ کہ کوئی الگ زبان۔ اردو حروف وہ ایک ہفتہ میں سیکھ سکتا اور اپنا نام ان میں لکھ سکتا ہے۔ بلکہ عجب نہیں کہ وہ چھپی ہوئی اردو عبارت بھی کچھ نکال لینے لگے۔ یہ بڑی خوشنما ہوتی ہے۔ اور دیواروں اور محلوں کے پھاٹکوں پر اس کا پڑھنا خود ایک پرلطف چیز ہے، اردو شاعری عشق سے بھری پڑی ہے۔ اور اسی طرح اردو ناول بھی۔ کسی کو ان کے پڑھنے میں زحمت نہ ہوگی۔ اور اگر امتحان کی نوبت آئی۔ تو اردو والوں کے حق میں (ممتحن) مولوی صاحب سے بڑھ کر رحم دل اور کون ہوگا؟ سو فی صدی نمبر کہیں کٹنے نہیں ہیں۔ مقالہ خود بھی نہایت مفید ہو سکتا ہے۔ ایک ہی زبان سے پیدا ہونے والے دو لٹریچروں کا موازنہ کیا جا سکتا ہے...... غرض آسانی ہی آسانی ہے، اور عجب نہیں ہے کہ اس سے کچھ روز بعد ایک نئی زبان "اردو ہندی" وجود میں آجائے۔"

یہ مراسلہ نہ کسی مسلمان کے قلم سے ہے اور نہ انجمن ترقی اردو کے کسی ممبر کا بلکہ الہ آباد یونیورسٹی کے استاد قدیم پنڈت شیودھر پانڈے کا ہے۔ (صدق جدید)

--- نئی زبان کے ایجاد کرنے کی فکر درحقیقت پرانی زبان سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ ورنہ وہ سب کچھ تو اب بھی موجود ہے جس کی پانڈے صاحب کو تلاش ہے --- تاہم ان کی زبان سے اردو کے سیکھنے کی ضرورت اور اس کی آسانیوں کا ذکر بھی کچھ کم نہیں!!

--- سندھی زبان بولنے والوں نے صدر جمہوریہ سے درخواست کی ہے، کہ وہ سندھی زبان کے علاقائی زبان ہونے کا اعلان فرما دیں۔ مرکزی وزارت تعلیمات نے جب یہ اعلان کیا کہ سندھی زبان کی کتابیں دیوناگری رسم الخط میں چھاپی جائینگی تو اس پر سندھیوں کی طرف سے سخت احتجاج کیا گیا۔ آخرکار مرکزی حکومت کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ سندھی زبان کی کتابیں دیوناگری اور عربی دونوں رسم الخط میں چھاپی جائیں تاکہ بچوں کے سرپرست جس رسم الخط میں چاہیں اپنے بچوں کو تعلیم دلائیں۔

--- سوچنا چاہئیے کہ سندھیوں کو عربی رسم الخط پر اسقدر اصرار کیوں ہے۔ جس وجہ سے انہیں اصرار ہے، بالکل اسی وجہ سے اردو والے بھی اپنا رسم الخط قائم رکھنا چاہتے ہیں --- یعنی یہ کہ ادب اور مذہبی روایات کے جو خزانے ان زبانوں میں جمع ہیں ان کا دروازہ آیندہ نسلوں کے لئے بند نہ ہو جائے!! --- عجیب بات یہ ہے کہ دوسری زبانوں کے رسم الخط کا مسئلہ ہمارے برادران وطن میں وہ احساسات پیدا نہیں کرتا جو صرف اردو رسم الخط کا مسئلہ کرتا ہے!

--- دہلی میں پوسٹ گریجویٹ کلب کے افتتاحی جلسہ میں پروفیسر اگروال نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "صرف مادری زبان ہی تعلیم کے تمام ابتدائی اور اعلی درجوں میں ذریعہ تعلیم ہونی چاہئیے۔ میں ان لوگوں کی رائے سے سخت اختلاف کرتا ہوں جو کہتے ہیں کہ اب انگریزی کے بجائے ہندی کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے --- بلاشبہ ہندی کو ضرور پڑھنا چاہئیے اس لئے کہ وہ سرکاری زبان ہے لیکن اگر اس کو بحیثیت ذریعہ تعلیم کے ایسے لوگوں کے سر منڈھا جائیگا جن کی مادری زبان ہندی نہیں ہے تو یہ رجعت پسند اور غیرسائنسی اقدام ہوگا"

--- ٹونک کی شاخ انجمن ترقی اردو نے راجستھان کی حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ اردو زبان کو علاقائی زبان تسلیم کیا جائے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ ہندو مسلم اور سکھ آبادی کی ایک بڑی تعداد اس مطالبہ کے ساتھ ہے۔

--- یہ ہندوؤں اور سکھوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایک ایسی زبان کی تائید کرتے ہیں جس کا اترپردیش میں تو کوئی وجود ہی نہیں!!

--- ناگپور میں مرہٹی ادیبوں کی انجمن نے بھی صوبہ کی حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ زبان کے قانون میں اس طرح ترمیم کی جائے کہ مرہٹی، اور ہندی کو مساوی درجہ ملے۔ چنانچہ مرہٹہ اراکین نے اسمبلی میں ایک ترمیمی مسودہ قانون بھی پیش کر دیا ہے۔

--- اور اگر اترپردیش میں اردو والے بھی کوئی ایسی بات کہنا چاہیں تو کیا انہیں سانس لینے کی اجازت ہوگی؟

--- کلکتہ یونیورسٹی کے ایک امتحان کے پرچہ میں حسب ذیل سوال ملاحظہ ہو:-

"حسب ذیل دی ہوئی عبارت کا مفہوم اپنی ہندی میں صاف کرکے لکھئے:-

ہمکو تو سارے ملک کو اپنے ساتھ لے چلنا ہے۔ گجراتی، کنڑ، ملیالم، تمل، تیلگو، بنگلہ، اڑیا، آسامی --- ان سب زبانوں کی موالات اور ہمدردی کی ضرورت ہمکو ہے۔ ڈر تو یہ ہے کہ صرف اردو والوں کے ملانے کی کوشش میں کہیں ہم سارے ملک کی تائید کو نہ کھو بیٹھیں۔ یہ سوال فرقہ وارانہ نہیں ہے۔

بنگال کے مسلمانوں کی زبان بنگالی ہے۔۔ قاضی نظر الاسلام اور جسیم الدین کی شاعری اسی طرح سنسکرت آمیز ہے، جیسی کہ ہندوؤں کی۔ دکھنی ہند کے مسلمانوں کی مادری زبان اردو نہیں ہے۔ پنجاب کے مسلمانوں کی مادری زبان پنجابی ہے۔ کشمیر کے مسلمانوں کی مادری زبان کشمیری ہے، پھر تو ہندی کا ماحول مہیا کرنے کا مقصد صرف دلی، اتر پردیش، اور بہار کے اردو بولنے والے مسلمانوں کی خوشنودی ہی ہے۔"

۔۔۔ ذرا غور فرمایئے کہ کلکتہ یونیورسٹی کے چالاک ممتحن ۔ نوجوان طلبا کے دلوں میں اردو سے نفرت پیدا کرنے کا کیا اچھا ذریعہ پیدا کیا! اب امتحان کے پرچوں میں بھی یہ پروپیگنڈا جاری ہے!

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں!

انجمن کی خبریں

کانپور

۱۴ اپریل کو انجمن ترقی اردو کی شاخ کانپور اور جمعیۃ علما کانپور کی ایک اردو کانفرنس زیر صدارت حیات اللہ انصاری صاحب منعقد ہوئی۔ کانفرنس کا افتتاح قاضی عبد الغفار صاحب نے فرمایا۔

قاضی صاحب نے اپنی تقریر میں اس بات پر بہت زور دیا کہ اب جبکہ علاقائی تحریک کی دستخطوں کی مہم کامیابی کے ساتھ ختم ہو رہی ہے اردو کے حامیوں کو مطمئن نہ ہو جانا چاہئے بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ ابھی تو اردو کی حفاظت اور ترقی کے لئے بہت کام کرنا ہے۔ گو حکومت ہمارے مطالبہ کو مان بھی لے اب بھی ہم کو بہت کچھ تعمیری اور بنیادی کام کرنا ہے۔ جب تک ہم خود مدرسوں اور مکتبوں کے ذریعہ سے اردو پڑھنے والوں کی تعداد میں اضافہ نہ کرتے رہیں گے حکومت کی مدد سے بھی پورا فایدہ نہیں اٹھا سکتے۔

مجلس استقبالیہ کے صدر مصطفے حسین میر صاحب نے اپنی تقریر میں لوگوں سے اپیل کی کہ ان کو اردو کی عملی خدمت کرنا چاہئے جس کے بغیر اردو کی ترقی ممکن نہیں ہے۔

صدر کانفرنس حیات اللہ انصاری صاحب نے صدارتی تقریر میں کہا "اب زمانہ بدل گیا ہے اب اردو کو عوام کی ضرورت ہے اور عوام کو اردو کی۔ اردو عوام کو تعلیم دے گی اور بچوں کو ماضی کا قیمتی خزانہ مہیا کرے گی دوسری طرف اگر اردو عوام کی نہ بنی تو اس دور میں اس کی زندگی محال ہو گی۔

انصاری صاحب نے لوگوں کو عمل پر ابھارا اور انہوں نے کہا کہ آپ کو مایوسی سے نہیں بلکہ امید جوانی اور خود اعتمادی سے اردو کے لئے کام کرنا چاہئے۔

ضلع کانفرنس نے جس میں کانپور کے علاوہ دوسرے اضلاع کے نمایندے بھی کافی تعداد میں موجود تھے ایک تجویز کے ذریعہ اس عقیدہ کا ایک بار پھر اعلان ضروری سمجھا کہ "زبان اردو نہ صرف یہ کہ ملک کے فرقہ وارانہ اتحاد کی آئینہ دار اور مشترک تمدن اور کلچر کی زندہ تصویر ہے بلکہ وہ دستور ہند کی صاف اور صریح دفعہ کے پیش نظر ہندی زبان کی سرکاری حیثیت کے تسلیم کئے جانے کے بعد بھی ملک کی دیگر ۱۴ علاقائی زبانوں میں سے ایک علاقائی زبان ہے جس کو ملک میں پھلنے پھولنے کے پورے مواقع حاصل ہونا چاہئیں"۔

اس تجویز کے آخر میں جسے مولانا عبدالحمید اعظمی نے پیش کیا اور جس کی تائید بابا خضر محمد صاحب سیٹھی نے کی تھی اس ضرورت پر زور دیا گیا کہ حکومت یوپی کے موجودہ طرزِ عمل کے پیش نظر جو اس نے اردو کے متعلق اختیار کر رکھا ہے اردو کی علاقائی حیثیت تسلیم کرانے کے لئے دستخطی مہم کو کامیاب ہونا چاہیئے اور حامیانِ اردو سے عموماً اور ادبی اور ثقافتی اداروں نیز ارکانِ جمعیت علما سے خصوصاً اپیل کی گئی کہ وہ زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ دستخطی مہم کو آخری منزل تک پہنچایا جائے؟

ایک دوسری تجویز کے ذریعہ کانپور میں دستخطی مہم کو کامیابی کے ساتھ چلانے والے کارکنوں بالخصوص ارکانِ جمعیت علما کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے اب تک پچاس ہزار سے زیادہ دستخط کانپور سے حاصل کئے اور توقع ظاہر کی گئی کہ دو ہفتے کے اندر اس تعداد کو ڈیڑھ لاکھ تک پہنچا کر قومی احساس کا ثبوت پیش کیا جائے گا۔

تیسری تجویز کے ذریعہ جسے بابا خضر محمد صاحب نے پیش کیا اور جس کی تائید سخاوت حسین صاحب ایڈوکیٹ نے کی کانپور علاقائی زبان کانفرنس کی طرف سے بہت صاف اور واضح لفظوں میں اعلان کیا گیا کہ "ہم ہندی کے مخالف نہیں ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس کی مادری زبان اردو ہے ہندی پڑھے اور اسی میں مہارت حاصل کرے اور ہم چاہتے ہیں کہ ہندی کے سرکاری زبان ہوتے ہوئے بھی اردو کو بحیثیت علاقائی زبان کے زندہ رکھا جا سکتا ہے اور اردو اور ہندی میں کوئی بیر نہیں ہے۔

کانپور

۱۳ اپریل سنہ ۱۹۵۳ ع کو قاضی محمد عبدالغفار صاحب جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) کانپور تشریف لائے۔ اسٹیشن پر اراکین انجمن ترقی اردو، اراکین بزم ادب حلیم کالج ایڈیٹر صداقت مولانا ثاقب اور دوسرے اصحاب نے استقبال کیا۔

قاضی صاحب نے جناب حاجی محمد سمیع صاحب کے بنگلے پر قیام فرمایا۔

۶ بجے شام کو قاضی صاحب کی صدارت میں حلیم کالج کے ہال میں اردو علاقائی زبان کانفرنس کی سبجکٹ کمیٹی کا اجلاس ہوا اور کالج کے ہردلعزیز پرنسپل محمد احمد رضوی صاحب نے قاضی صاحب کو عصرانہ دیا۔ شب میں قاضی صاحب نے کانفرنس کا افتتاح فرمایا آپکی افتتاحی تقریر سے حاضرین بہت مطمئن ہوئے۔

۱۰ کی صبح کو قاضی صاحب نے بیگم مولانا حسرت موہانی کی لائبریری ملاحظہ فرمائی۔ آپکے ساتھ انجمن کے نمائندہ جناب خیر بہوروی صاحب، اخبار صداقت کے ایڈیٹر خواجہ عبدالسلام صاحب ثاقب کانپوری اور دوسرے کئی اصحاب تھے۔ ۵ بجے شام کو قاضی صاحب انجمن ترقی اردو کانپور کے جلسے میں شریک ہوئے جو صدر انجمن محمد احمد رضوی صاحب پرنسپل کے دولت کدے پر منعقد ہوا۔ اس میں رسالہ "زمانہ" کانپور کے دوبارہ اجرا کی ایک تجویز منظور ہوئی۔ جلسے کے اختتام کے بعد قاضی صاحب نے پرنسپل صاحب، وحشی صاحب، خواجہ عبدالسلام صاحب کے ساتھ شہر کے ممتاز تاجر اور محمد حمزہ صاحب سے ملاقات کی۔

۱۶ کی صبح کو قاضی صاحب نے حبیب اللہ صاحب ایکزیکٹو افیسر، محمد عتیق صاحب اور منت اللہ صاحب سے ملاقات کی۔ ان تمام اصحاب نے قاضی صاحب کو یقین دلایا کہ اردو کے معاملے میں انکے ساتھ امکانی تعاون سے دریغ نہ کریں گے۔ اسی دن موصوف علی گڈھ واپس ہو گئے

قاضی صاحب کا یہہ سفر اس لحاظ سے بہت کامیاب رہا اور اپکی افتتاحی تقریر نے اردو کی طرف سے مایوس دلوں کی بڑی تشفی کی اور حاجی شیخ صاحب اور دوسرے ذمہ دار اصحاب نے خواہش کی کہ عید کے بعد قاضی صاحب پھر آئیں۔ جن ممتاز اصحاب سے قاضی صاحب ملے انہوں نے انجمن کی مالی امداد کے سلسلہ میں وعدہ کیا کہ بعد عید وہ مالی "امداد کی تحریک کو کامیاب بنائینگے۔" (نامہ نگار)

اگرہ

ضیاء الرحمن صاحب جامعی سفیر اردو علاقائی زبان کمیٹی نے اگرہ میں کافی وقت صرف کرنے اور مقامی حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد جو مراسلہ شاخ اگرہ کے اعزازی سکرٹری پروفیسر مغیث الدین صاحب فریدی کو بھیجا ہے وہ حسب ذیل ہے:-

"دستخطی مہم کے سلسلہ میں مجھے جن حالات سے آگرہ میں سابقہ پڑا، غالباً یو پی بھر میں کوئی جگہ اس کی مثال نہیں دے سکتا۔ اگر انجمن ترقی اردو آگرہ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس نہ کرتی تو جو کام اب تک ہوا ہے وہ بھی ناممکن تھا آپ، آپ کے ساتھی اور آپ کے کالج کے مخلص طلباء کا جذبہ قابل مبارکباد ہے کہ عدیم الفرصتی اور امتحان کی مصروفیات کے باوجود دستخطی مہم کے کام کو بھی بہت ضروری سمجھہ کر آگے بڑھایا اور اپنے فرائض کو پورے طرح محسوس کیا۔

جن لکھے پڑھے حضرات نے انفرادی طور پر اور مقامی اہم سیاسی اور سماجی جماعت نے خواہ وجوہات کچھہ بھی ہوں اردو کی تحریک سے اپنے آپ کو نہ صرف الگ رکھا بلکہ بعض نے ان فرائض کو انجام دیا جن کے لئے ٹنڈن جی اپنی زندگی وقف کر چکے ہیں ان کی یہہ سیاسی مصلحت بہر حال اردو کے حق میں خطرناک اور ناقابل تلافی رہی اور اردو کے معاملہ میں ان کی اس سیاست اور پالیسی سے آگرہ کے بہت بڑے طبقہ کو نہ صرف شکایت اور بدگمانی پیدا ہو گئی ہے بلکہ بہت دکھہ بھی ہوا ہے۔ مجھے اپنی اس ناکامی پر بھی حیرت اور افسوس ہے کہ دستخط شدہ فارموں کا ذخیرہ جو ان کے پاس قومی امانت ہے انتہائی کوشش کے بعد بھی حاصل نہ کر سکا۔

اگرچہ دستخط فراہم کرنے کی آخری تاریخ ۲۱ مارچ ہے لیکن جن حلقوں میں آپ نے اب تیزی سے کام شروع کر دیا ہے وہ یقیناً اپریل کے پہلے ہفتہ میں پورا ہو سکے گا۔ اس لئے آپ کام مکمل کرانے کی کوشش جاری رکھیں اور یہہ فارم بذریعہ ڈاک لکھنو بھجوا دیں۔"

دہلی

انجمن ترقی اردو شاخ دہلی کی جانب سے سید آصف علی صاحب اور مولانا شفیق الرحمان صاحب وزیر تعلیم صوبہ دہلی کی وفات پر تعزیتی جلسہ زیر صدارت مولانا حفظ الرحمن صاحب ٹاون میونسپل کمیٹی دہلی میں ۳ اپریل کی شام کو ہوا اس میں اراکین انجمن اور حاضرین جلسہ کی جانب سے ایک ماتمی قرارداد پاس کی گئی۔

جے پور

۲۶ مارچ کو ایک جلسہ عام زیر صدارت منشی چند بہاری لال صاحب صبا بوقت ۹ بجے شب حویلی نواب ممتاز الدولہ بہادر پر حامیان اردو اور ادب نواز اصحاب کا منعقد ہوا۔ مجمع بہت کافی تھا۔ اول جناب صدر نے بہت مختصر مگر نہایت پر مغز تقریر فرمائی۔ جس میں اس انجمن کے قیام کی ضرورت اور اہل

جے پور کی ادبی خدمات کا نہایت موثر انداز میں اظہار فرماتے ہوئے زیادہ سے زیادہ تعداد میں اس انجمن کے ممبر بننے کی دعوت دی۔ آپ کے بعد جناب خیر صاحب بہوروی نمائندہ خصوصی مرکزی انجمن ترقی اردو علی گڑھ نے جو اسی جلسہ کی شرکت کے لئے تشریف لائے تھے جناب قاضی محمد عبدالغفار صاحب جنرل سکریٹری ترقی اردو علی گڑھ کا ایک پیغام پڑھکر سنایا۔ جس میں موصوف نے تحریر فرمایا تھا کہ:-

"میں کل ہند اردو کانفرنس کے سلسلہ میں اجمیر حاضر ہوا۔ اس موقع پر جے پور کے حامیان اردو سے جو بحیثیت نمائندگان راجستھان اس کانفرنس میں شرکت کے لئے آئے تھے تبادلہ خیالات کرنے کا موقع ملا۔ یہ حضرات جس خلوص کے ساتھ اردو کی ترویج و اشاعت کی سعی کر رہے ہیں وہ قابل ستائش اور دوسرے صوبوں کے لئے لائق تقلید ہے۔ ان کا اصرار تھا کہ میں جے پور پہونچکر وہاں انجمن ترقی اردو کی ایک صوبائی کمیٹی قائم کرے اور خدمت اردو کی مہم کو تیزتر کرنے میں ان کی رہنمائی کروں لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں بوجہ مصروفیت کار جے پور پہونچنے کے لئے وقت نہ نکال سکا البتہ وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ مئی یا جون میں۔ میں انشاءاللہ تعالی بالضرور جے پور آؤں گا اور صوبہ کے نمائندگان سے جن کا اجتماع وہاں اس موقع پر ہونے کی توقع ہے تبادلہ خیالات کروں گا۔ فی الحال یہ پیغام میں اپنے نمائندہ خصوصی جناب خیر بہوروی صاحب کی معرفت جے پور کے حامیان اردو کے پاس بھیج رہا ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ میری دلی ہمدردیاں ان کی پرخلوص کوششوں کے ساتھ ہیں۔"

اس کے بعد مولوی احترام الدین احمد صاحب شاغل عثمانی نے نواب معز الدولہ محمد مکرم علی خان صاحب مکرم کا ایک مکتوب سنایا۔ جس میں موصوف نے بوجہ علالت اپنی عدم شرکت پر اظہار افسوس کرتے ہوئے اپنی دلی ہمدردی اور تمنائے کامیابی کو ظاہر فرمایا تھا۔

بعد ازیں جناب خیر بہوروی صاحب نے تقریر فرمائی جس میں اس سرمایہ مشترکہ (اردو) کی بقا و ارتقا کا لازمی ہونا بدلائل روشن ثابت کیا نیز تاریخی واقعات کی روشنی میں بتایا کہ زبان کسی کے مٹائے نہیں مٹا کرتی ہندی کے متعلق انہوں نے فرمایا کہ بحیثیت سرکاری زبان اس کا سیکھنا ہمارے لئے اس سے بھی ضروری ہے کہ جیسا دیگر سرکاری زبانوں کا تھا کیونکہ یہ آخر ہمارے ہی وطن کی تو زبان ہے۔ کون بیوقوف ہوگا کہ جو اپنی دو آنکھوں میں سے ایک کو پھوڑ دے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے ہندی کی خدمت میں بھلے ہی کبھی پہلو تہی نہیں کی۔ عبدالرحیم خانخاناں کے نام سے کون واقف نہیں اور ملک محمد جائسی کی پدماوت کس سے پوشیدہ ہے جس نے ہندی ادب میں ایک نئی بحر کا اضافہ کیا ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ خاص جے پور کے متعدد شعرا ایسے گزرے ہیں جو مقامی زبان میں شعر کہتے تھے۔ مثلاً محمد حسین خنداں۔ اسی طرح علماء و اصحاب نے اپنی مذہبی مقدس کتابوں تک کو اردو میں منتقل کرکے اردو کے اپنی زبان ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ آخر میں آپ نے انجمن ترقی اردو کے قائم کئے جانے اور اس کے زیادہ سے زیادہ ممبر بنانے اور اس کے پروگراموں کو عملی جامہ پہنانے کی پرزور اپیل کی۔

اس کے بعد حسب ذیل عہدے داروں کا بالاتفاق انتخاب عمل میں آیا۔

صدر۔ خان بہادر الطاف احمد صاحب خیری۔

نائب صدر۔ منشی چندر بہاری لال صاحب صبا۔

پروفیسر محمد محی الدین خانصاحب ایم۔اے

سکریٹری ۔ مولوی احترام الدین احمد صاحب شاغل عثمانی

خازن ۔ ایس ۔ ایم اسلام صاحب

اور دیگر جملہ حاضرین نے ممبری قبول کی۔

اس کارروائی کے بعد ایک معیاری غیر طرحی مشاعرہ ہوا۔ جسمیں مقامی شعرا کے علاوہ حضرت جگر مرادآبادی ۔ ڈاکٹر حرم حمید لکھنوی عارف عباسی ۔ خنداں ٹونکی صاحبان نے بھی شرکت فرمائی۔ اور یہہ بزم کافی رات گئے بخیر و خوبی ختم ہوئی۔

علی گڈھ

۱۵ مارچ ۱۹۵۳ ع کو جامعہ اردو کا جلسہ تقسیم اسناد ساڑھے ۱۱ بجے حامد یونین ہال میں زیر صدارت ڈاکٹر ذاکر حسین خاں وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی منعقد ہوا۔ مولوی ظہیر الدین صاحب علوی رجسٹرار جامعہ اردو نے سالانہ رپورٹ ۱۹۵۲ ع سنائی جس میں بتایا کہ ۱۷ نومبر ۱۹۵۲ ع سے ۲۰ نومبر ۱۹۵۲ ع تک ۱۸ مرکزوں پر بہ یک وقت جامعہ کے امتحان ہوئے درجہ ادیب میں ۷۶۳ ادیب ماہر میں ۳۱۹ اور ادیب کامل میں ۱۳۳ طلبہ شریک ہوئے جن میں سے ۱۶۹ ناکامیاب اور ۸۰۲ کامیاب ہوئے ۱۹۵۱ ع میں ۳۸ مراکز تھے ۱۹۵۲ ع میں ۲۰ کا اضافہ ہوا ۳۳ درسگاہوں نے جامعہ کے امتحانات کے لئے مستقل طور سے درجے قایم کرکے جامعہ سے الحاق کرلیا ہے ۔ راجپوتانہ بورڈ کی امتحان کمیٹی نے جامعہ کے امتحانات تسلیم کر لئے ہیں۔ اب جامعہ کے امتحانات پاس شدہ امیدوار صرف انگریزی میں ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ میں شرکت کرسکیں گے سرسید بکڈپو کے ذریعہ جامعہ کو ۶-۱۰-۱۶۰۸ روپیہ کا نفع ہوا ۔ امیدواروں کی رہبری کے لئے ماہنامہ درس کا اجراء بھی کیا گیا ہے ۔ جس کے ۳ شمارے نکل چکے ہیں ۱۹۵۲ ع کے اختتام پر محفوظ فنڈ میں ۶۰۰۹-۱-۲۶۳۰ موجود ہیں ۔ رپورٹ کے بعد انعامات تقسیم ہوئے اس کے بعد صدر جلسہ نے ایک ایک جامع و مانع تقریر کی جس میں ہندی ساہتیہ سمیلن کے اجلاس علی گڈھ کے مقررین کا نہایت بڑے اچھے انداز میں مدلل جواب دیا۔ ایک بجے جلسہ ختم ہوا۔ اساتذہ، طلبہ، طالبات، ممبران اسٹاف اور معززین شہر نے کافی تعداد میں شرکت کی جامعہ کی خدمات کو حاضرین نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا۔

"ہندی امپیریلزم"

بھارتیہ ہندی پریشد کے اجلاس منعقدہ الہ آباد میں آچاریہ نریندر دیو وائس چانسلر بنارس یونیورسٹی نے ہندی زبان پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ "شمالی ہند کے ہندی اسکالروں کو چاہئے کہ وہ جنوبی ہند کی زبانوں کو سیکھیں تاکہ ہندی امپیریلزم کا جو نعرہ لگایا جارہا ہے وہ ختم ہو"۔ گویا یہہ بات ثابت ہوئی کہ جنوبی ہند سے ہندی امپیریلزم کا نعرہ بلند ہو رہا ہے اور ہندی کی مخالفت وہیں سے شروع ہوئی ہے جہاں ہندی پرچار کے مرکز بنائے گئے تھے، نیز یہہ بھی ثابت ہوا کہ ہندی امپیریلزم کا نعرہ مسلمانوں نے نہیں لگایا کیونکہ وہ نہ نسلی چھوت چھات کے قایل ہیں اور نہ لسانی چھوت چھات کے۔ ساتھ ہی یہہ بات بھی عیاں ہو کر رہی کہ اچاریہ جی ہندی کی خاطر جنوبی ہند سے سودا کرنا چاہتے ہیں یعنی شمالی ہند ان کی زبانوں کو سیکھے اور جنوبی ہند، ہندی زبان کو اپنائے ۔ مگر ہمیں شبہ ہے کہ ان کا یہہ سودا شمالی یا جنوبی ہند کے لئے منفعت بخش ثابت ہوگا!

اسی اجلاس میں الہ آباد یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر دھریندر شرما نے یہہ عجیب و غریب انکشاف فرمایا کہ جن صوبوں کی علاقائی اور ادبی زبان ہندی ہے ان کی تعداد کورہ اور آبادی ۱۶ کروڑ ہے جس میں دس یونیورسٹیاں قایم ہیں، یعنے یوپی، بہار، وندھیہ پردیش مدھیہ پردیش، مدھیہ بھارت، بھوپال، راجستھان، اجمیر،

دہلی، پنجاب، ہماچل پردیش۔ مگر جن صوبوں کی علاقائی زبان ہندی نہیں بلکہ دوسری زبانیں ہیں ان کی آبادی ۱۹ کروڑ ہے جن میں ۱۸ یونیورسٹیاں قائم ہیں :-

یعنی آسام، بمبئی، گوا ناگر، مدراس، آڑیسہ، بیسو، مغربی بنگال اور سکم، حیدرآباد جموں اور کشمیر، میسور، ٹراونکور اور کورگ۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہندوستان میں ان لوگوں کی تعداد زیادہ ہے جو ہندی نہیں جانتے اور ان کی یونیورسٹیاں بھی ہندی کے مقابلہ میں دگنی ہیں! اگر یہ اعداد و شمار صحیح ہیں تو ان لوگوں کو اپنے اس دعوی پر نظر ثانی کرنی چاہیئے کہ ہندوستان میں ہندی کے بولنے والے زیادہ ہیں اور وہ سارے ہی ملک کی مشترکہ زبان ہے!

حیرت کی بات یہ ہے کہ پروفیسر مذکور نے ہندی کے صوبوں میں دہلی، یوپی اور بہار کو توشامل کیا ہی تھا، مگر جب وہ غیر ہندی صوبوں اور ریاستوں کے نام گنانے بیٹھے تو وہ کشمیر کے ساتھ اردو کا نام نہ لے سکے، حالانکہ شیخ عبداللہ کے کشمیر میں صدیوں سے اردو زبان ہی رائج رہی ہے اور یہ اوری ریاست کی علاقائی زبان ہے! گویا اردو کا نام ایسا شرمناک ہو گیا ہے کہ جہاں کی سرکاری زبان اردو ہے وہاں کے لئے بھی اس کا نام زبان پر نہیں آتا ہے بلکہ دل کو تسلی دینے کے لئے زبان کے ساتھ "کشمیری" لگا دیا جاتا ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ کشمیر کی زبان کشمیری ہے اور اردو کے وجود سے وہ پاک ہے، مگر اس کا کیا علاج کہ پنجاب اور راجستھان سے ہر نیا اخبار اردو زبان ہی میں نکل رہا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اردو کی مخالفت بھی اردو اخبارات ہی کے ذریعہ ہو رہی ہے! اس سے معلوم ہوا کہ اردو کا وجود تو شرمناک نہیں شرمناک وہ رویہ ہے جو زبان کے پردہ میں چھوت چھات کو فروغ دے رہا ہے!

(الجمعیتہ)

نئی کتابیں

(بکھری کرنیں)

پنڈت کشن پرشاد کول کے چند افسانوی مضامین کا یہ مجموعہ ہے جس کو نسیم بک ڈپو لکھنؤ نے شائع کیا ہے (قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے)۔ کول صاحب کا موضوع سماج سدھار سماجی اور اخلاقی حالت کی اصلاح اور ان سماجی برائیوں کے خلاف جہاد کرنا ہے، جو ہماری اجتماعی زندگی کے چہرے پر بہت بدنما داغ ہیں۔ "دیپک اور پتنگ" میں بے جوڑ شادیوں اور قدیم گھرانوں میں جدید خیالات کے نتائج پیش کئے گئے ہیں۔ "ایثار" ایک لڑکی کا قصہ ہے جو ایک نوجوان کی ہوسناکی کا شکار ہوئی اور پھر اسے ایک سوشل ریفارمر نے ایک بڑی قربانی کر کے رسوائی سے بچایا۔ "سموت کنور" سماج کی ماری ایک عورت کا قصہ ہے جو اپنی تباہی کا انتقام بے رحم مردوں سے لے رہی تھی، یہی رنگ اور افسانوں کا ہے۔ تقریباً سب میں عورت کی مظلومیت اور بپتا کا ذکر ضرور ہے جو ہماری سماج کی خرابیوں کا نتیجہ ہے۔ آخری افسانہ کے ایک گوشہ میں کول صاحب نے کمیونزم کا نام بھی لیا ہے اور ایک کردار کی زبان سے اس پر تنقید کرائی ہے۔ لیکن تنقید تشنہ ہے اور اس لئے پڑھنے والا کسی نتیجہ پر پہنچنے نہیں پاتا کہ افسانہ ختم ہو جاتا ہے۔ کول صاحب اردو زبان کے بہت کہنہ مشق اور ممتاز ادیب ہیں اور ان کے ادب کا رنگ اس کی جوانی سے اس کے بڑھاپے تک بہت نکھرا ہے۔ سماجی اور اخلاقی اور سیاسی مسائل میں کول صاحب اپنے معتقدات میں ترمیم اور تغیر گوارا نہیں کرتے وہ بدلتے ہوئے حالات کو اپنے تصورات پر حاوی ہونے کی اجازت نہیں دیتے بلکہ کسی مسئلہ کے متعلق اپنا جو زاویہ نظر قائم کرتے ہیں اس کے مطابق اپنے پڑھنے والوں کی رہنمائی کرتے ہیں یہ کام مشکل ہے مگر وہ کرتے ہیں۔

کتاب اس کی مستحق تھی کہ اس کی کتابت و طباعت جیسی ہے اس سے بہتر ہوتی۔

اصف علی صاحب مرحوم کی ادبی یادگار

["پرچھائیں":- ناشر: انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ -
قیمت چار روپیہ]

بمبئی کا اخبار "بھارت جیوتی" اس کتاب کے متعلق لکھتا ہے:-

"جناب اصف علی کی المناک وفات سے اردو کی ادبی دنیا میں ایک بڑی شخصیت گم ہو گئی اور اردو میں جو خلا پیدا ہو گیا ہے کبھی نہ بھرا جا سکیگا۔ جناب اصف علی جو ہندوستان کی آزادی کے بڑے علمبردار تھے ملک کے ایک سچے وہیر تھے اور انہوں نے ہر چیز اپنے ملک کے لئے قربان کر دی تھی۔ سیاسی کاموں کے علاوہ مرحوم اردو ادب میں ایک بہت بڑے ادیب تھے اور فاضل اہل قلم میں بہت ممتاز تھے۔ ان کے قلم کا زور ان کی کتاب "پرچھائیں" میں نمایاں ہوتا ہے۔ "پرچھائیں" ان کی ادبی قابلیت کا ایک شاہکار ہے اور اردو ادب کی یہ ایک بہترین کتاب ہے۔ اس شاہکار میں اصف علی صاحب نے زندگی کے فلسفہ اور اس کے حقائق کو نہایت شاعرانہ انداز میں پیش کیا ہے۔

بہترین اردو ٹائپ کی طباعت نے کتاب کے حسن میں اور اضافہ کر دیا ہے۔

جو لوگ دعویٰ کرتے ہیں

کہ وہ اردو زبان سے محبت کرتے ہیں اور اس کی خدمت کرنا چاہتے ہیں وہ سوچیں کہ آج تک اخبار "ہماری زبان" اور رسالہ "اردو ادب" کے کتنے خریدار مہیا کئے۔

باہتمام عزیز حسین منیجر نیشنل پرنٹرس کمپنی میں چھپا اور قاضی عبدالغفار صاحب پبلشر نے صدر دفتر انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کیا۔